مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخی خدمات

(تیسری اور آخری قسط)

مفتی محمد رضا انصاری

یہ تو خاص تراجم واحوالِ علماء کی کتاب ہے۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤرخانہ رجحان کا ایک مظاہرہ یوں بھی ہوا کہ فن کی کتاب کی وہ خدمت کرتے یا جس فن میں خود کوئی تصنیف کرتے، اس میں حوالے اور سند کے طور پر اگر کسی کتاب سے اقتباس دیتے تو اس کے مصنف کا مختصر احوال بھی حاشیہ پر درج کردیتے تھے، مختصر احوال میں اس کی دوسری تصانیف کا بھی ذکر ہوتا اور اس کے زمانۂ وفات کا بھی، یہ معمول ان کا اپنی ہر تصنیف، شرح اور حاشیہ میں رہا ہے، اسی ضمن میں اپنے ایک معاصر مصنف نواب صدیق حسن خان (وفات ۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۷ھ) کی بعض غلطیوں کی تصحیح بھی انہوں نے کی جو تراجم وسوانح میں سنین وفات کے سلسلے میں نواب صاحب سے ہوگئی تھیں، ایسے مواقع پر نواب صاحب کا نام لیے بغیر ''**بعض أفاضل عصرنا**'' کا اشارہ استعمال کرتے تھے، اس احتیاط کے باوجود یہ گرفتیں نواب صاحب کی بدمزگی کا باعث ہوئیں اور مولانا نے ارادہ کرلیا کہ آئندہ سے ان کی غلطیوں کی طرف توجہ بھی نہیں دلائیں گے، اس لیے کہ مولانا کے علم میں آ گیا کہ:

''**إنه يحزن منها ويحملها على التعصب والعناد**''، یعنی ''نواب صاحب کو اس سے ملال ہوتا ہے اور اسے وہ تعصب وعناد پر محمول کرتے ہیں۔'' سوءِ اتفاق ادھر مولانا نے یہ ارادہ کیا، ادھر نواب صاحب کے ایک حمایتی کے نام سے جو فرضی معلوم ہوتا ہے، ایک رسالہ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں شائع ہوگیا جس کا نام ''**شفاء العیّ عما أوردهُ الشيخ عبد الحي**'' تھا۔ نواب صاحب پر اعتراضات بھی تاریخی پہلو سے کیے گئے تھے، جوابی رسالے میں بھی تاریخی مباحث زیر بحث آئے، مولانا کو بھی اس رسالے کا جواب لکھنا پڑا، جس میں ''**شفاء العی**'' کے جوابات کا رد بھی کیا اور نئے اعتراضات بھی وارد کیے۔ مولانا کے اس جوابی رسالے کا نام ''**إبراز الغي الواقع في شفاء العي**'' ہے۔ اس جوابی رسالے میں جس کا سالِ تالیف ۱۸۸۰ء/ ۱۲۹۷ھ ہے، بڑے دلچسپ تاریخی مسئلے اعتراض وجواب کے ضمن میں آ گئے ہیں، مثلاً ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی قدح کرنے پر علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تنبیہی خط علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا تھا وہ کون علامہ سبکیؒ تھے، تقی الدین سبکیؒ، جو علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصر اور مقابل تھے یا

ان کے بیٹے علامہ تاج الدین سبکیؒ، مولانا کا خیال تھا کہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا خط بیٹے کے نام ہے، نواب صاحب کا دعویٰ تھا کہ یہ خط باپ کے نام ہے، اس موضوع پر مولانا نے روایتاً اور درایتاً خوب بحث کی ہے۔

مولانا کے جوابی رسالہ ''**إبراز الغی**'' کا بھی جواب نواب صاحب کی طرف سے دیا گیا جس کا لہجہ بھی تیز تھا اور نام بھی طنز بھرا، یعنی ''**تبصرة الناقد برد كيد الحاسد**'' اس کے جواب میں مولانا نے ایک ضخیم کتاب لکھی جس کا نام ''**تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد**'' ہے، یہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور بعض علمی گھرانوں میں ان کو فن مباحثہ میں رکھا گیا ہے، حالانکہ موضوع کے اعتبار سے یہ خالص تاریخی تصانیف ہیں۔

''**تذكرة الراشد برد تبصرة الناقد**'' کی علمی اور تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ ایک ادبی اہمیت بھی ہے، مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ عربی ادب کے میدان میں کبھی نہیں آئے، سیدھی سادی علمی عربی ہی میں وہ اظہارِ خیال کرتے رہے، لیکن ''**تذكرة الراشد**'' میں خصوصاً اس کے دیباچے میں ان کا قلم انشا پردازی کا شاہکار تھا، چونکہ مولانا سے عربی ادب وانشاء کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، اس لیے ''**تذكرة الراشد**'' کی اشاعت کے بعد چہ مگوئیاں ہونے لگیں، یہاں تک کہ حریف حلقوں کی طرف سے یہ بھی کہا گیا کہ مولانا نے یہ عربی اپنے ایک معاصر عربی ادب کے ماہر مفتی محمد عباس لکھنویؒ سے لکھوائی ہے، جن سے مولانا کی دوستی تھی، حالانکہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جو مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے ناممکن ہو۔

''**تذكرة الراشد**'' کی تصنیف کا اختتام ربیع الاول ۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ میں ہوا۔ ''**إبراز الغیّ**'' اور ''**تذكرة الراشد**'' کے مطالعہ کے بغیر مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی وسیع اور ناقدانہ تاریخی نظر سے کما حقہ واقفیت آسان نہیں ہے، پہلا رسالہ تو خفی قلم اور نستعلیق رسم خط میں ۶۴ رصفحات کا ہے اور دوسرا رسالہ پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے، جس کا رسم خط نسخ ہے اور قدرے جلی تھا۔

ان خالص تاریخی تصانیف میں مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور تصنیف کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے، جو اگرچہ مختصر ہے مگر تذکرہ نویسی ہی سے اس کا تعلق ہے، اس کا نام ''**حسرة العالم بوفات مرجع العالم**'' ہے، یہ کتاب مولانا نے اپنے والد مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ (وفات ۱۸۶۸ء/ ۱۲۸۵ھ) کے احوال میں ان کی وفات کے بعد لکھی تھی۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤرخانہ دیانت کا یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ اگر قدیم حوالے اور سند کی بنیاد پر انہوں نے کسی رائے کا اظہار کیا، پھر ان کی ذاتی تحقیق سے وہ رائے اُنہیں غلط معلوم ہوئی تو اپنی دوسری تصانیف میں اس کی خود ہی تردید کر کے اپنا تحقیقی فیصلہ لکھ دیتے ہیں، جامع صغیر کے مقدمہ ''**النافع الكبير**'' میں مولانا نے فقہ کی بعض غیر معتبر کتابوں کے ذکر میں ''**المحيط البرهاني**'' کو بھی شامل کیا تھا اور لکھا تھا کہ:

> ''**المحيط البرهاني**'' کا مصنف اگرچہ بڑے درجے کا فقیہ اور مجتہد فی المسائل کے طبقے کا ہے، لیکن فقہاء نے صراحتاً لکھا ہے کہ اس کتاب کی بنیاد پر فتویٰ دینا جائز نہیں

ہے، اس لیے کہ اس میں رطب و یابس سب جمع کر دیا گیا ہے۔'' ①

اس سلسلے میں مولانا نے صاحبِ بحر الرائق ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ بھی دیا ہے، جنہوں نے ابن امیر الحاج الحلبی رحمۃ اللہ علیہ کی ''**شرح منیة المصلی**'' کے مقدمے سے یہ رائے اخذ کی تھی کہ ''**المحیط البرهانی**'' مستند نہیں ہے، لیکن ''**الفوائد البهیة**'' میں جب ''**المحیط البرهانی**'' کے مصنف کا اس کے مشہور نام محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد بن الصدر الکبیر برہان الدین عبدالعزیز بن عمر بن مازہ بن برہان الدین کے تحت احوال لکھے تو پہلے محیط ہی کے حوالے سے مولانا نے تصحیح کی کہ اصل نام محمود نہیں محمد ہے، اس لیے کہ محیط کے آغاز میں مصنف نے اپنا نام محمد بن الصدر الکبیر لکھا ہے، اس کے بعد یہ لکھتے ہوئے کہ مقدمہ جامع صغیر میں ''**المحیط البرهانی**'' کو غیر معتبر کتابوں میں جو شمار کیا گیا تھا وہ صحیح نہ تھا، مولانا لکھتے ہیں:

> ''پھر جب فضل خداوندی سے مجھے اس کتاب کے مطالعے کا موقع ملا تو میں نے کتاب کو بہترین پایا، جو مستند مسائل پر مشتمل اور غیر معتبر اور نامانوس مسائل سے محفوظ ہے، ہاں! چند مقامات پر غیر معتبر مسائل ضرور ہیں تو وہ بہت سی مستند کتابوں میں بھی ہیں، بہر حال میرے اوپر یہ منکشف ہو گیا کہ محیط سے فتویٰ دینے کو جو ناجائز بتایا گیا ہے تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ یہ کتاب عام طور پر لوگوں کی نظر سے نہیں گزری تھی اور مفقود و نایاب تھی، خود کتاب میں یا اس کے مؤلف میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی کہ اس کتاب سے فتویٰ دینا ناجائز ہو جائے۔'' ②

اس کے بعد ایک کلیہ کے طور پر مولانا نے تحریر کیا کہ ایسا ہوا کرتا ہے کہ زمانہ اور مقام کے اختلاف کی بنا پر بعض کتابیں ایک جگہ مفقود ہوتی ہیں اور دوسری جگہ مُتَدَاوَل و مشہور، یا ایک وقت میں نایاب ہوتی ہیں اور دوسرے عہد میں عام طور پر پائی جاتی ہیں:

> ''تو جب محیط برہانی ابن امیر الحاج الحلبی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں .....مفقود تھی تو اس کو ان کتابوں میں انہوں نے شمار کیا جو نایاب ہونے اور غیر مشہور ہونے کی بنا پر اس درجے میں ہیں کہ ان سے فتویٰ دینا درست نہیں ہے، پھر جب دوسرے زمانے اور دوسرے اطراف میں وہ رائج اور مشہور ہوئی تو اس سے فتویٰ نہ دینے کا حکم بھی ختم ہو گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ محیطِ برہانی فی نفسہ قابل اعتماد و مستند ہے، مستند لوگوں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور اس سے فتویٰ دیا ہے۔'' ③

اسی طرح مقدمۂ جامع صغیر میں جہاں طبقاتِ فقہاء سے مولانا نے بحث کی ہے، کفویؒ، ابن کمال پاشا رومیؒ، اور عمر بن عمر الازہری مصریؒ کی کتابوں، طبقاتِ کفوی، الاصلاح والایضاح اور جواہر نفسیہ شرح الدرۃ المنیفۃ وغیرہ کے حوالے سے طبقۂ مجتہدین سے لے کر آخری طبقہ یعنی مقلدین کے طبقے تک تمام مشہور فقہاء کی درجہ بندی انہوں نے قدماء کے مسلک کے مطابق درج کی، مگر اس درجہ بندی میں بعض اعلیٰ درجے کے فقہاء کا ادنیٰ درجے میں اندراج جو قدیم سے چلا آ رہا تھا' مولانا کے لیے خلجان کا

سبب بنا، وہ بعض فقہاء کو جو کم تر درجے میں رکھے گئے ہیں درجۂ اعلیٰ کا اہل سمجھتے تھے، بعض کو اس کے برعکس، پھر بھی اس بحث کو وہ اپنی رائے کے مطابق چھیڑنے میں پس وپیش اس لیے کررہے تھے کہ:

''جھگڑالو حضرات کا خوف مجھے اپنے خلجان کے اظہار سے مانع ہورہا تھا کہ میرے ایک ہم عصر فاضل نے مجھے کتاب مذکور (یعنی ''ناظورۃ الحق'') بھیجی اور میں نے اس کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا تو اپنی رائے اور صاحب ''ناظورۃ الحق'' کے خیالات میں توارُد پر خدا کا شکر ادا کیا۔'' ④

مولانا نے ''ناظورۃ الحق'' کی عبارتوں کا مفصل اقتباس دے کر قدماء کی درجہ بندی کی خامیوں پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً ابوبکر الجصاص الرازی رحمۃ اللہ علیہ کو قدماء نے ان مقلدین فقہاء میں شمار کیا ہے جو سرے سے اجتہاد کا حق ہی نہیں رکھتے ہیں، ''ناظورۃ الحق'' کے مصنف ہارون بن بہاء الدین المرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے سخت اختلاف کیا، مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے مصنف سے اتفاق کرتے ہوئے اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

''ابوبکر الجصاص الرازی رحمۃ اللہ علیہ کو طبقۂ مقلدین میں شمار کرنا ان کے حق میں بہت بڑی زیادتی ہے اور بلند مقام سے ان کو نیچے اُتار لینا ہے، جو شخص بھی ابوبکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں اور ان کے منقول اقوال کا پتہ لگا کر مطالعہ کرے گا، وہ یہی مانے گا کہ وہ لوگ جنہیں مجتہد مانا گیا ہے جیسے شمس الائمہؒ اور ان کے بعد والے بعض حضرات وہ سب فقہ میں ابوبکر الرازی رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں۔'' ⑤

ان مثالوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ تاریخی اقوال کے محض ناقل نہیں تھے، بلکہ ان کو پرکھنے کا خاص ملکہ بھی انہیں حاصل تھا۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی پروگرام بنایا تھا کہ دوجلدوں میں ایک ایسی کتاب تالیف کی جائے جس میں مختلف مذاہب کے علماء کے احوال اور ان کی مشہور تصانیف کی تفصیلات کا بیان ہو، اس پروگرام کے تحت انہوں نے کام شروع کرتے ہی اپنا فیصلہ ذرا سا بدل دیا، بجائے دوجلدوں میں ایک تالیف کرنے کے انہوں نے یہ طے کیا کہ ایک کتاب اس طرح لکھی جائے کہ مصنف علماء کا حال اصلاً اور ان کی تصانیف کا ذکر ضمناً ہو اور یہ کتاب انہوں نے تصنیف کرلی جو ''**طرب الأماثل فی تراجم الأفاضل**'' کے نام سے طبع ہوچکی ہے، اس کتاب کا اختتام ۳؍صفر ۱۳۰۳ھ میں ہوا، یعنی مولانا کی وفات سے ۱۴؍مہینے قبل۔

اسی سلسلے کی دوسری کتاب اس طرح تصنیف کی کہ تصانیف کا ذکر اصلاً اور ان کے مصنفین کا احوال ضمناً درج کیا، جس کا نام انہوں نے ''**فرحة المدرسین بذکر المؤلفات والمؤلفین**'' رکھا، مولانا کے شاگرد اور تذکرہ نویس مولانا عبدالباقی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''**حسرة الفحول**'' میں اس کتاب کے سلسلے میں لکھا ہے کہ:

''یہ کتاب مکمل نہ ہوسکی کہ اس کا مصنف سفر آخرت پر چلا گیا اور رب العالمین کے حضور پہنچ گیا''۔

مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے فرنگی محل کلکشن میں اس کا مخطوطہ موجود ہے جو بقلم مصنف ہے، مخطوطے کے سرورق پر خود مصنف کے قلم سے لکھا ہوا ہے:

''الفراغ منه غرة ربيع الأول يوم الأربعاء ۱۳۰۳ھ۔''

''اس کتاب کی تصنیف سے ربیع الاول ۱۳۰۳ھ کی چاند رات کو چہار شنبہ کے دن فراغت ہوئی۔''

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اسی ورق پر مصنف کے قلم ہی سے لکھا ہے کہ حروف: ''ث، ذ، ز، ل، و، ی'' کے تحت مؤلفات کا ذکر باقی ہے اور تمام حروف کے تحت مولانا نے اہم مؤلفات کا ذکر اصلاً اور ان کے مؤلفین کا ذکر ضمناً کیا ہے۔ مولانا عبدالباقی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مخطوطے کے شروع میں ایک صفحہ کا دیباچہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مصنف اس کتاب سے فارغ ہو چکا تھا۔

ان دونوں کتابوں کی تصنیف کے علاوہ جن سے وہ فارغ ہو چکے تھے' مولانا نے یہ بھی پروگرام بنایا تھا کہ تین جداگانہ تصانیف جو علمائے ہند اور دوسرے معاصر علماء کے احوال پر مشتمل ہوں تصنیف کی جائیں، ان تینوں تصانیف کے نام بھی الگ الگ مولانا نے تجویز کر دیئے تھے اور تینوں کتابوں کے مجموعے کا نام ''أنباء الخلان بأنباء علماء هندوستان'' رکھا تھا۔

اس مجموعے کی پہلی کتاب کا نام تھا ''خير العمل بتراجم علماء فرنجی محل'' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے، یہ کتاب علمائے فرنگی محل کے احوال کے لیے مخصوص تھی، مولانا نے اس کا بیشتر حصہ مرتب کر لیا تھا، مگر اسے مکمل نہ کر سکے کہ وفات فرما گئے۔ ''خير العمل'' کا مسودہ خود مصنف کا لکھا ہوا' تیس برس پہلے تک فرنگی محل میں پایا جاتا تھا، ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'' کے مصنف مولانا محمد عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم جب ۳۰-۱۹۲۹ء میں یہ تذکرہ ترتیب دے رہے تھے تو ''خير العمل'' کا اصل مسودہ ان کے پیش نظر تھا، انہوں نے جگہ جگہ ''خير العمل'' سے حوالے دیئے ہیں، بیشتر حوالے ترجمے کی شکل میں ہیں، کہیں کہیں عربی اقتباس بھی دیا ہے، مگر اب یہ مسودہ باوجود تلاشِ بسیار کے دستیاب نہیں ہوا۔

خوش قسمتی سے اس کی ایک نقل مولانا کے شاگرد مولانا عبدالباقی فرنگی محلی مہاجر مدنیؒ نے کر لی تھی اور وہ اس کا تکملہ کرنا چاہتے تھے، ۱۹۲۵ء میں ''خير العمل'' اور اس کے تکملہ کو جو مولانا عبدالباقی مرحوم کے قلم سے تھا' مدینہ منورہ میں مولانا عبدالباقی مہاجر مدنیؒ کے کتب خانے میں میں نے دیکھا تھا اور اس کا پورا مطالعہ کیا تھا، جو طلبہ کی ایک سائز کاپی کے تقریباً سو صفحات پر مشتمل تھا، یہ اصل اور تکملہ دونوں پر حاوی تھا۔

مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے طریقۂ تصنیف کے مطابق حروف تہجی کے تحت علمائے فرنگی محل کے احوال تحریر کیے تھے اور بعض حروف کے تحت بیاض تھا، پھر بھی تقریباً تمام قابل ذکر علمائے فرنگی محل کا ذکر ''خير العمل'' میں آ گیا ہے اور ''خير العمل'' کے ضروری اقتباسات مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی مرحوم کی عربی تصنیف ''آثار الأول من علماء فرنجی محل'' اور مولانا مفتی محمد

عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم کی اردو تصنیف ''تذکرۂ علمائے فرنگی محل'' میں نقل ہوگئے ہیں۔

مجموعہ ''أنباء الخلان'' کے دوسرے جزء کا نام مولانا نے ''النصیب الأوفر في تراجم علماء المائة الثالثة عشر'' رکھا تھا، یعنی اپنی صدی کے معاصر علماء کے احوال پر یہ کتاب مشتمل قرار دی گئی تھی اور اسی مجموعے کے تیسرے حصے کا نام انہوں نے متعین طور پر تجویز نہیں کیا تھا، ''رسالة أخرى في تراجم السابقين من علماء الهند'' کے نام سے اس کا ذکر اپنی تصانیف کے ضمن میں انہوں نے کیا ہے اور اس کے آگے یہ بھی تحریر کیا ہے: ''ولم يتم إلى الآن'' یعنی ابھی تک ''أنباء الخلان'' کے مجموعے کے تحت آنے والی تینوں تصانیف پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچی ہیں، پایۂ تکمیل کو نہ پہنچنا اشارہ ہے کہ ان ہرسہ کتب کی تالیف کا آغاز مولانا کرچکے تھے، جن میں سے ایک یعنی ''خير العمل'' بڑی حد تک تالیف ہوچکی تھی، جیسا کہ اوپر گزرچکا۔

''النصيب الأوفر في تراجم علماء المائة الثالثة عشر'' بھی اگر زیرِ تالیف آچکی تھی تو افسوس ہے کہ اس کا ایک صفحہ بھی کہیں دستیاب نہیں ہوا ہے۔

''رسالة أخرى في تراجم السابقين من علماء الهند'' کے نام سے بھی مولانا کا کوئی مسودہ نہیں پایا جاتا اور اُسے بھی مفقود و معدوم ہی ماننا پڑتا، لیکن ایک بے نام اور بے ترتیب مسودہ فرنگی محل کے کتب خانے میں ایسا ملا ہے جس پر نہ مصنف کا نام ہے، نہ کتاب کا، مگر ہے علمائے ہند کا تذکرہ اور تحریر بھی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری تحریروں کے عین مطابق ہے، متفرق قلمی تحریروں کی حیثیت سے اس مسودے کے اوراق کو مجلد کرایا گیا تھا، کتب خانے کے کسی ناواقف منتظم نے بطورِ خود اس کا نام ''تذكرة الصلحاء'' تجویز کرکے اس کے سرورق پر لکھ دیا اور ''تذكرة الصلحاء'' ہی کے نام سے یہ مخطوطہ درجِ فہرست رہا۔ اس مسودے کی اصلیت کا اندازہ سب سے پہلے مولانا مفتی محمد عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم نے کیا اور مسودہ کے سرورق پر انہوں نے تحریر کردیا ہے:

''هذا الكتاب من مؤلفات مولانا عبد الحيؒ كما يعرف من أحوال الملا غلام يحيٰى البهاري وأنا أعرف خطهٗ أيضاً ۔(فقير محمد عنايت الله غفر لهٗ الله)۔''

''یہ مسودہ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف میں سے ہے، جیسا کہ ملا غلام یحییٰ بہاریؒ کے احوال کے ضمن میں ظاہر ہوگیا ہے، اس کے علاوہ میں مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ خط کو بھی پہچانتا ہوں۔'' (فقیر محمد عنایت اللہ غفرلہٗ اللہ)

ملا غلام یحییٰ بہاری رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں مصنف نے ان کے اس حاشیہ کا جو ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' کے نام سے موسوم ہے' حوالہ دیا ہے۔ یہ حاشیہ میر زاہد ہروی رحمۃ اللہ علیہ کی اس شرح پر ہے جو انہوں نے رسالہ قطبیہ مولفۂ قطب الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (رسالة في التصور والتصديق) کی' کی ہے، اس رسالے کی شرح کو عام طور پر میر زاہد رسالہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو منطق کی ایک

انتہائی کتاب مانی جاتی ہے، مصنف نے ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' کے ذکر میں لکھا ہے:

''وقد كتبتُ عليها حين قراءتي بتلك الحاشية حضرة الوالد المرحوم تعليقًا مختصرًا سميتهٗ بهداية الوريٰ، تعقبتُ فيها علىٰ كثير من أقوال الخير آبادي (المولوي عبد الحق بن المولوي فضل حق الخير آبادي) ثم ألفتُ تعليقًا كبيرًا مسمى بمصباح الدُّجىٰ ولما كتب الفاضل الخير آبادي تعليقا مختصرا أجاب فيها عن إيراداتي عليه ألفتُ تعليقًا ثالثًا مختصرًا ردًا عليه سميتهٗ ب ''نور الهدى'' وهذه الحواشي الثلاثة قد وقعت بحمد الله مقبولةً في أعين الكملة ومفيدة للطلبة۔''

''میں نے ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' پر جب میں اپنے والد مرحوم سے اُسے پڑھتا تھا، ایک مختصر حاشیہ لکھا تھا جس کا نام ''ھدایۃ الوریٰ'' رکھا تھا، میں نے اپنے اس حاشیہ میں مولانا عبدالحق بن مولانا فضل حق خیر آبادی کے بہت سے اقوال پر- جو انہوں نے ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' پر اپنے حاشیے میں درج کیے تھے- اعتراضات کیے تھے، اس کے بعد ایک مفصل حاشیہ بھی میں نے اسی ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' پر لکھا جس کا نام ''مصباح الدُّجیٰ'' رکھا، پھر جب فاضل خیر آبادی نے اپنے دوسرے مختصر حاشیہ میں میرے اعتراضات کے جواب دیئے تو میں نے تیسرا مختصر حاشیہ اسی ''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' پر لکھا جس کا نام ''نور الھدیٰ'' رکھا، اس آخری حاشیہ میں میں نے فاضل خیر آبادی کے جوابات کا رد کیا ہے، میرے یہ تینوں حاشیے خدا کے فضل سے علماء کی نظر میں مقبول ہوئے اور طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوئے۔''

''حاشیۂ غلام یحییٰ بہاری'' پر ''ھدایۃ الوریٰ''، ''مصباح الدجیٰ'' اور ''نور الھدیٰ'' کے نام سے جو تین حاشیے ہیں، وہ بلاشبہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بے نام مسودہ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ ہی کا ہے، خود میں نے جب اس مسودے کو لفظاً لفظاً پڑھا تو اور شہادتیں بھی اس کی ملیں کہ یہ مسودہ مولانا ہی کا ہے، مثلاً حسن صنعانی کے احوال میں مصنف نے لکھا ہے:

''أوردتُ نبذاً منها في الفوائد البهية في تراجم الحنفية۔''

''حسن صنعانی کا کچھ احوال میں نے ''الفوائد البهية في تراجم الحنفية'' میں درج کیا ہے۔''

یا مثلاً شیخ عبدالنبی بن شیخ احمد بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں مصنف نے لکھا ہے:

''وقد ذكرت ترجمتهٗ في ..... النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير وفي التعليقات السنية علىٰ الفوائد البهية۔''

''شیخ عبدالنبی کا حال میں نے جامع صغیر کے مقدمہ ''النافع الكبير'' کے حاشیہ پر اور ''الفوائد البهية'' کے حاشیہ ''التعليقات السنية'' میں لکھا ہے۔''

یہ اندرونی شہادتیں تصدیق کر رہی ہیں کہ یہ بے نام مسودہ جس پر مصنف کا نام بھی درج نہیں ہے، یقیناً مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا ہے اور یقیناً یہ اسی ''أنباء الخلان بأنباء علماء هندوستان'' کے مجموعۂ کتب کا ایک حصہ ہے۔

مجموعۂ ''أنباء الخلان'' کی تین تصانیف میں سے ایک کا نام ''خير العمل بتراجم علماء فرنجی محل'' ہے جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ دوسری تصنیف ''النصيب الأوفر فی تراجم علماء المائة الثالثة عشر'' تھا، یہ مسودہ جو بے نام ہے ''النصيب الأوفر'' نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ایسی تصنیف کو تیرھویں صدی ہجری کے علماء کے تذکروں تک محدود ہونا چاہیے تھا۔ زیرِنظر مسودہ ان حدود میں محدود نہیں ہے، لامحالہ اس کو ''رسالة أخرىٰ فی تراجم السابقين من علماء الهند'' قرار دینا پڑے گا، جس میں تقریباً ڈیڑھ سو علمائے ہند کے احوال ہیں جو کسی ایک صدی میں محدود نہیں ہیں۔ اور یہ مسودہ بھی مکمل نہیں ہے، اس کے کچھ اوراق گم ہو چکے ہیں، اس کا اندازہ اس وقت ہوا جب اوراق کے ترک کی مطابقت کی جانچ پڑتال کی، حرف المیم میں سید محمد مرتضیٰ المحدث الیمنی البگرامی کے احوال میں ان کی تصانیف کا ذکر صفحہ کے اختتام پر کرتے ہوئے مولانا نے ان کی ایک تصنیف ''إتحاف الأصفياء فی سلاسل الأولياء'' کا آدھا نام یعنی ''اتحاف الأصفياء'' تک لکھا اور صفحہ ختم ہوگیا۔ باقی نام دوسرے صفحے پر لکھا، مگر دستیاب مسودہ میں دوسرا صفحہ اور اس کے بعد کے کئی صفحے سادہ ہیں، حالانکہ مکتوبہ صفحہ کے نیچے ترک کے طور پر ''سلاسل الأولياء'' خود مولانا کے قلم کا تحریر کیا ہوا موجود ہے، اس کے معنی یہی ہیں کہ اگلے صفحہ کی عبارت ''سلاسل الأولياء'' سے شروع ہونے والا صفحہ نہیں ہے، اس کے بعد جو مکتوبہ صفحہ آتا ہے وہ حرف النون سے شروع ہوتا ہے، ماننا پڑتا ہے کہ یہی نہیں کہ یہ تصنیف مکمل نہیں ہو پائی، بلکہ جو کچھ مولانا نے لکھ لیا تھا، وہ بھی سب کا سب موجود نہیں ہے، حرف المیم کے کتنے صفحات غائب ہیں، یہ اندازہ کرنا ناممکن ہے، مسودے کے شروع میں خود مولانا کے قلم کی لکھی ان ناموں کی فہرست بھی ہے، جن کے احوال اس تصنیف میں لکھے گئے ہیں، مگر افسوس ہے کہ فہرست کا بھی ایک صفحہ دستیاب ہوا ہے جو حرف الالف سے شروع ہو کر حرف العین کے پانچ ناموں کے بعد ختم ہوگیا ہے، حالانکہ مسودے میں حرف الیاء تک کے نام ہیں، الف سے لے کر یا تک ڈیڑھ سو علمائے ہند کا ذکر اس مسودے میں ملتا ہے، احوال میں بھی خاص توجہ تصانیف اور سلسلۂ تلمذ پر مرکوز رہی ہے۔ (انتہیٰ)

حواشی

① .....النافع الکبیر، ص: ۱۲ ② .....الفوائد البہیۃ، ص: ۸۵ ③ .....ایضاً

④ .....النافع الکبیر، ص: ۵ ⑤ .....ایضا